زمانوں کی علامات



زمانوں کی علامات

ای چارلس کی کتاب "ہر مجدون" سے انتخاب

از

ابنِ صلیبیؔ

ایم اے (فلسفہ)، کراچی یونیورسٹی، کراچی

ایم ٹی ایچ (مسیحی علمِ الٰہیات)، این سی سی، لاہور

جب مسیح یسوع اس زمین پر تھے تو ایک موقع پر انہوں نے فریسیوں اور صدوقیوں سے کہا؛

"تم آسمان کی صورت میں تو تمیز کرنا جانتے ہو
مگر زمانوں کی علامتوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔"
(متی کی معرفت انجیل 16 : 3)

اس بیان سے انہوں نے اپنے دور کے عالموں کی خامی کو ظاہر کر دیا۔ اگرچہ وہ لوگ کلامِ الٰہی کا مطالعہ کیا کرتے اور خدا کے کلام کو باقاعدگی، سنجیدگی اور عقیدت سے پڑھا کرتے تھے مگر پیشین گوئیوں کی تمام تر علامات پر زمانوں کی اُن علامات کو جو خدا اُن کی آنکھوں کے سامنے رکھتا تھا، عائد نہیں کرتے تھے۔ یسوع مسیح اپنی نسبت کے اُن تمام واقعات کو جن کا ذکر انبیائے سابقین نے پیشتر سے کیا ہوا تھا تواریخی حیثیت میں پیش کرتے رہے، لیکن فاضل سردار کاہنوں، فقیہوں، فریسیوں اور صدوقیوں نے اُن سب کو پسِ پُشت ڈال کر بالکل نظر انداز کر دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ مندرجہ پیشین گوئیوں کی اُن کی اپنی تفسیریں اُن پیشین گوئیوں کے حقیقی مفہوم سے جو خدا اُن کو دکھانا اور سمجھانا چاہتا تھا بالکل مختلف تھیں۔ ذیل میں چند ایک ایسے آثار کا ذکر کیا جارہا ہے جو پیشتر سے بتائے جا کر پایہ تکمیل کو پہنچ چکے تھے اور جن کو مسیح یسوع نے اپنے زمانے کے علمائے دین کے سامنے پیش کیا تاکہ اُس الزام کو جو ان پر اس آیت میں لگایا درست ثابت کریں؛

1۔ اُس زمانہ کے فاضل یہودیوں نے ملاکی نبی کے اُس بیان کو ضرور پڑھا ہو گا جو یوں مرقوم ہے؛

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا
اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا
اور خداوند جس کے تم طالب ہو
ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہو گا۔
ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزو مند ہو
آئے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔"
(ملاکی 3 : 1)

یسعیاہ نبی نے بھی بالکل ایسی ہی پیشین گوئی بیان فرمائی تھی جو یوں قلم بند ہے؛

" پکارنے والے کی آواز!
بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو،
صحرا میں ہمارے خداوند کے لئے شاہراہ ہموار کرو۔"
(یسعیاہ 40 : 3)

ان دونوں بیانات کے الفاظ اور زبان سادہ اور عام فہم ہیں۔ ان میں ایک ایسے نبی کا ذکر ہے جس نے خداوند مسیح کے آنے سے قبل بطورِ ہر اول کام کرنے کے لئے ظاہر ہونا تھا۔ اگر یہودی علمائے الٰہیات ان پیشین گوئیوں کا اطلاق یوحنا اطباغی پر کر لیتے تو ان کی تفسیروں اور اُمیدوں کا رُخ صحیح سمت میں ہوتا۔

یوحنا بپتسمہ دینے والا ایک شخص تھا۔ اُس کی ہستی ایک تواریخی واقعہ تھا۔ لوگ جانتے تھے کہ وہ ایک راستباز شخص ہے۔ پھر بھی اُس زمانہ کے علمائے دین نے اُسے نہ تو پہچانا کہ یہی شخص خدا کا وہ نبی ہے جس کی بابت ملاکی اور یسعیاہ نے فرمایا تھا اور نہ ہی انہوں نے اُس خداوند کو قبول کیا جس کا رسول ہو کر وہ آیا تھا۔

2۔ جبرائیل فرشتہ نے دانی ایل نبی پر ممسوح شہزادہ کے ظہور یا آمد اور اُس کے قتل کئے جانے کے ٹھیک ٹھیک اوقات ظاہر کر دیئے تھے۔

جیسا کہ مرقوم ہے؛

"تیرے لوگوں اور تیرے مُقدس شہر کے لئے ستر ہفتے مقرر کئے گئے
کہ خطاکاری اور گناہ کا خاتمہ ہو جائے،
بدکرداری کا کفارہ دیا جائے،
ابدی راستبازی قائم ہو،
رویا و نبوت پر مُہر ہو
اور پاک ترین مقام ممسوح کیا جائے۔
پس تو معلوم کر اور سمجھ لے
کہ یروشلیم کی بحالی اور تعمیر کا حکم صادر ہونے سے ممسوح فرمانروا تک سات ہفتے اور باسٹھ ہوں گے۔
تب پھر بازار تعمیر کئے جائیں گے
اور فصیل بنائی جائے گی۔
مگر مصیبت کے ایام میں۔
اور باسٹھ ہفتوں کے بعد وہ ممسوح قتل کیا جائے گا۔"
(دانی ایل9 : 24 – 26)

اس پیشین گوئی کا متعلقہ مقصد اور مدت بالکل صاف ہے۔ اُس قدوس کے ممسوح ہونے کے وقت کا شمار اُس وقت سے کرنا چاہیئے تھا جب کہ بحالی اور یروشلیم کی تعمیر کا حکم جاری ہوا۔ اس پیشین گوئی میں جو بنیادی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ تاریخی حقائق ہیں اور ضرور ہے کہ روایتاً اور تاریخاً یہودیوں کو ان کا علم ہوتا۔ اگر یہودی مُفسروں نے اُن میعادوں کا جن کا تعین پیشین گوئیوں میں کیا گیا ہے درست طریق میں شمار کیا ہوتا تو اُن کے لئے یہ جاننا ہرگز مشکل نہ ہوتا کہ اُس ممسوح فرمانروا کے ظہور کا وقت کون سا ہے۔ اور وہ اُس کو اُس کے ظہور کے وقت رد نہ کرتے۔

3۔ یہودی عالموں اور تاریخ دانوں نے یسعیاہ نبی کے اُس بیان کو بارہا پڑھا ہو گا

جو یوں مرقوم ہے؛

" اور یسی کے تنے سے ایک کونپل نکلے گی

اور اُس کی جڑوں سے ایک بار آور شاخ پیدا ہو گی

اور خداوند کی روح اُس پر ٹھہرے گی۔

حکمت اور خِرد کی روح،

مصلحت اور قُدرت کی روح،

معرفت اور خداوند کے خوف کی روح۔"

(یسعیاہ 11 :1-2)

اگر اُن لوگوں نے صرف یہ جاننے کی کوشش کی ہوتی کہ جب پیشین گوئی کا مندرجہ بیان مُتعلقہ نسب نامہ مسیح خداوند کے شجرہِ نسب کو لفظی اور تواریخی حقیقت میں یسی تک پہنچا دیتا ہے تو اُن کو علم ہو جاتا کہ مندرجہ پیشین گوئی کی لفظی تکمیل خداوند مسیح میں پوری ہو گئی ہے۔ مگر یوسف تو ایک عام بڑھئی تھا اور غالباً اِس قدر غریب کہ مذہبی راہ نماؤں، فاضل تاریخ دانوں اور اُس زمانہ کے عالِم مُفسروں نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ علاوہ ازیں اگر وہ صرف یوحنا اصطباغی ہی کی گواہی کا یقین کر لیتے، جو اِن الفاظ میں یوں بیان ہوئی ہے کہ؛

"۔۔۔میں نے روح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اُترتے دیکھا ہے

اور وہ اُس (یسوع) پر ٹھہر گیا۔"

(یوحنا 1؛32)

تو وہ مسیح یسوع کی شناخت میں کبھی غلطی نہ کرتے بلکہ تسلیم کر لیتے کہ یہ وہی خداوند ہے جس کی بابت یسعیاہ نے مذکورہ بالا پیشین گوئی کی۔

4۔ خدا نے یسعیاہ نبی کی معرفت اپنے لوگوں کو ایک نشان دینے کا وعدہ کیا تھا۔

اُس نے فرمایا؛

"لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا۔

دیکھو، ایک کنواری حاملہ ہو گی

اور بیٹا جنے گی۔

وہ اُس کا نام عمانوایل رکھیں گے۔"

(یسعیاہ 7 : 14)

خداوند کے نشان دینے والی پیشین گوئی لفظی طور پر خداوند یسوع المسیح میں پوری ہوئی جو کنواری مریم سے پیدا ہوئے۔ مگر اُس زمانے کے اکابرینِ دین نے اُس اِلٰہی نشان کو بھی قبول نہ کیا۔ بہت اغلب ہے کہ اُن لوگوں نے اس قسم کی غیر معمولی پیدائش کے خیال کو قابلِ قبول نہ سمجھا اور اس وجہ سے انہوں نے اس معجزانہ پیدائش کو محض جھوٹ اور بے بنیاد قرار دے کر ایک فطرتی اعجوبہ سمجھ کر ٹال دیا۔ اگر وہ حقیقی اور لفظی طور پر اس پیشین گوئی کو درست مان لیتے تو خداوند مسیح کو موعودہ اِلٰہی بیٹا ماننے سے قاصر نہ رہتے۔

5۔ اُس زمانہ کے حیرت انگیز واقعات کی نسبت یسعیاہ نبی نے پیشتر ہی سے کہا ہوا تھا

کہ؛

"اور اُس وقت بہرے کتابِ مقدس کی باتیں سُنیں گے
اور اندھوں کی آنکھیں تاریکی اور اندھیرے میں سے دیکھیں گی۔
تب مسکین خدا میں زیادہ خوش ہوں گے
اور غریب و محتاج اسرائیل کے خدا میں شادمان ہوں گے۔"
(یسعیاہ 29 : 18-19)

یہ پیشین گوئی لفظی طور پر مسیح یسوع کے ذریعہ پوری ہوئی۔ کیونکہ ؛- متی 15 : 30-31 میں ہم یوں پڑھتے ہیں؛

"اور ایک بڑی بھیڑ، لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں
اور بہت سے اَور بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اُس کے پاس آئی
اور اُن کو اُس کے پاوٗں میں ڈال دیا
اور اُس نے اُنہیں اچھا کر دیا۔
چنانچہ سب لوگوں نے دیکھا کہ گونگے بولتے، ٹُنڈے تندرست ہوتے
اور لنگڑے چلتے پھرتے اور اندھے دیکھتے ہیں
تو تعجب کیا اور اسرائیل کے خدا کی تمجید کی۔"

پس ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع مسیح نے ایمان لانے والوں اور ایمان نہ لانے والوں پر دوستوں اور دشمنوں کے رُوبرو جو معجزات کئے وہ یسعیاہ نبی کے الہامی بیان کی لفظی تکمیل تھے۔ اگر یہودی کاہن یہ مانتے کہ خدا کا کلام برحق ہے اور اُس کی پیشین گوئیاں خدا کے مقرر کردہ وقت پر لفظ بلفظ پوری ہوتی ہیں تو وہ مسیح یسوع کو پہچاننے میں ہرگز غلطی نہ کرتے۔ اپنی جہالت اور تعصب پر مُہر کرنے کے لئے انہوں نے مسیح یسوع کی معجزانہ قدرت کے مظاہروں کو "بعل زبول کی مدد" کہہ دیا اور حقیقت سے نظریں پھیر لیں۔

6۔ زکریاہ نبی نے یروشلیم میں بادشاہ کے وارد ہونے کی خوشخبری مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی تھی؛

"اے صیون!
تو نہایت شادمان ہو۔
اے دخترِ یروشلیم!
تو خوب للکار کیونکہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔
وہ حلیم ہے اور گدھے پر بلکہ جوان گدھے پر سوار ہے۔"
(زکریاہ 9:9)

اِس پیشین گوئی میں نبی نے بڑے صاف الفاظ میں اُس سواری کا ذکر کیا ہے جس پر سوار ہو کر مسیح بادشاہ یروشلیم میں داخل ہونے والا تھا۔ متی رسول نے یروشلیم میں مسیح یسوع کے داخل ہونے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے؛

" پس شاگردوں نے جا کر جیسا یسوع نے اُنہیں حکم دیا تھا ویسا ہی کیا
اور گدھی اور بچے کو لا کر اپنے کپڑے اُن پر ڈالے
اور وہ اُن پر بیٹھ گیا۔
بھیڑ میں سے اکثر لوگوں نے اپنے کپڑے راستے میں بچھائے
اور اَوروں نے درختوں سے ڈالیاں کاٹ کر راہ میں پھیلائیں
اور بھیڑ جو اُس کے آگے آگے جاتی تھی اور پیچھے پیچھے آتی تھی،
پکار پکار کر کہتی تھی کہ
ابنِ داؤد کو ہوشعنا،
اور جب وہ یروشلیم میں داخل ہوا
تو سارے شہر میں ہل چل پڑ گئی

اور لوگ کہنے لگے کہ یہ کون ہے؟
بھیڑ کے لوگوں نے کہا کہ یہ گلیل کے ناصرۃ کا نبی یسوع ہے۔"
(متی 21 :6-11)

اگر یہودی عالموں نے کبھی اتنا بھی سوچا ہوتا کہ مذکورہ پیشین گوئی نے لفظی طور پر پورا ہونا ہے تو وہ ہر گز غلطی نہ کرتے اور مسیح یسوع کو جب وہ یروشلیم میں مذکورہ طریق پر داخل ہوا تو فوراً پہچان لیتے کہ موعودہ بادشاہ وہی ہے۔ بجائے اِس کے کہ اُس روز جب انہوں نے زکریاہ کی نبوت کو لفظ بہ لفظ پورا ہوتے ہوئے دیکھا جبکہ مسیح یسوع بتلائے ہوئے طریق پر یروشلیم میں داخل ہوا انہوں نے اُس پر لوگوں میں بے چینی اور بغاوت پیدا کرنے کا الزام لگا دیا۔ تعصب نے اُن کو خدا کے کلام کی طرف اندھا سے اور اُس کی شخصیت، اُس کے منصب کے اعلان اور اظہار کرنے والی آوازِ خلق کی طرف سے اُن کو بہرہ کر دیا تھا۔

7۔ پیشین گوئی کے طور پر زبور نویس نے بیان کر دیا تھا کہ کیونکر ایک دوست اپنے دوست کو دغا سے پکڑوائے گا۔

چنانچہ اُس نے کہا؛

"میرے دِلی دوست نے
جس پر مجھے بھروسا تھا
اور جس نے میری روٹی کھائی تھی
مُجھ پر لات اُٹھائی ہے۔"
(زبور 41 :9)

زکریاہ نبی نے خون کی قیمت اور اُسی قیمت سے کمہار کے کھیت کے خریدے جانے کا ذکر اِن الفاظ میں کیا تھا؛

" اور انہوں نے میری مزدوری کے لئے تیس روپے تول کر دیئے
اور اُس بڑی قیمت کو جو انہوں نے میرے لئے ٹھہرائی
اور میں نے یہ تیس روپے لے کر خداوند کے گھر میں کمہار کے سامنے پھینک دیئے۔"
(زکریاہ 11: 13 -22)

یسعیاہ نبی نے تشدد ہوتے ملزم کی خاموشی کا یوں بیان فرمایا ہے؛

"وہ ستایا گیا
پھر بھی اُس نے برداشت کی
اور مُنہ نہ کھولا،
جس طرح برہ جسے ذبح کرنے کو لے جاتے ہیں
اور جس طرح بھیڑ اپنے بال کترنے والوں کے سامنے
بے زبان ہے
اُسی طرح وہ خاموش رہا۔"
(یسعیاہ 53 : 7)

یسعیاہ نبی ہی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں یہ بھی کہا تھا کہ؛

' اُس کی توہین کی گئی،
اُس پر تھوکا گیا اور اُس کو کوڑے لگائے گئے۔'

" میں نے اپنی پیٹھ پیٹنے والوں کے
اور داڑھی نوچنے والوں کے حوالے کی۔
میں نے اپنا مُنہ رسوائی اور تھوک سے نہیں چھپایا۔"
(یسعیاہ 50 : 6)

اُس نبی نے یہ بھی فرمایا کہ باوجودیکہ اُس نے کوئی زیادتی نہ کی اور نہ ہی اُس کے مُنہ سے فریب کی کوئی بات نکلی۔ تاہم اُس کی قبر شریروں میں ہوئی۔ اور موت کے بعد وہ دولت مندوں میں شمار ہوا۔ اُس کی قبر شریروں کے درمیان ٹھہرائی گئی اور وہ اپنی موت کے بعد دولت مندوں کے ساتھ ہوا حالانکہ اُس نے کسی طرح کا ظُلم نہ کیا اور اُس کے مُنہ میں ہرگز چھل نہ تھا۔"
(یسعیاہ 53 : 9)

زبور نویس نے الہام سے بتادیا تھا کہ اُس کے لباس کا کیا حشر ہو گا۔ وہ فرماتا ہے کہ؛

" وہ میرے کپڑے آپس میں بانٹتے ہیں اور میری پوشاک پر قُرعہ ڈالتے ہیں۔"
(زبور22 : 18)

اور لکھتاہے کہ گو اُس کے ہاتھ اور پاو ں چھیدے گئے تاہم اُس کی کوئی ہڈی توڑی نہ گئی جیسا کہ زبور22 : 16 میں یوں مرقوم ہے؛

" کیونکہ کُتوں نے مجھے گھیر لیاہے
اور بدکاروں کی گروہ مجھے گھیرے ہوئے ہے۔
وہ میرے ہاتھ اور پاو ں چھیدتے ہیں۔"

پھر زبور34: 20 میں یوں مرقوم ہے؛

"وہ اُس کی ہڈیوں کو محفوظ رکھتاہے۔
اُن میں سے ایک بھی توڑی نہیں جاتی۔"

اناجیلِ اربعہ میں جب یہ بیانات پڑھے جاتے ہیں کہ مسیح یسوع یہودیوں کے کیونکر حوالے کئے گئے، یہوداہ اسکریوتی نے کس طرح تیس روپے خون کی قیمت کاہنوں کے ہاتھ سے وصول کی اور کس طریق میں اُس نے وہ چاندی ہیکل میں پھینک دی اور کاہنوں نے اُس روپے سے کمہار کا کھیت قبرستان کے لئے خریدا، تو صریحاً معلوم ہو جاتا ہے کہ منجملہ پیشین گوئیاں کیونکر لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔ اپنے مقدمہ کی سماعت کے دوران مسیح یسوع بالکل خاموش رہے۔ آپ کی بے عزتی ہوئی، آپ پر تھوکا گیا اور صلیب دیئے جانے سے پہلے آپ کو کوڑے لگائے گئے۔ آپ کے صبر و برداشت کا یہ رویہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئیوں کے عین مطابق تھا۔ مسیح یسوع ایک غریب شخص تھے تاہم جب آپ مر گئے تو ایک دولت مند شخص کی قبر میں مدفون کئے گئے۔ جب وہ صلیب دیئے گئے تو اُن کی پوشاک پر قُرعہ ڈالا گیا۔ آپ کے پاؤں اور ہاتھ کیلوں سے صلیب پر جڑے گئے اور ایک رومی بھالے نے آپ کے پہلو کو چھیدا۔ اُس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کسی مصلوب شخص کی لاش کو صلیب پر سے اُتارتے تو اِس امر کا یقینی ثبوت حاصل کرنے کے لئے کہ آیا وہ شخص مر چکا ہے، پہلے اُس کی ہڈیاں توڑتے۔ مگر چونکہ اُس رومی افسر نے مسیح یسوع کی پسلی میں نیزہ مار کر تصدیق کر لیا تھا کہ آپ مر چکے ہیں اِس لئے آپ کی کوئی ہڈی بھی نہ توڑی گئی۔ مسیح خداوند ایک تاریخی شخص تھے۔ آپ کا مقدمہ اور آپ کی تصلیب تاریخی واقعات تھے۔ کیا یہ بات عجیب نہیں کہ آپ کے صلیب دیئے جانے اور مدفون ہونے تک کے واقعات ہر بات میں بعینہٖ ویسے ہی واقع ہوئے جیسے کہ پیشتر سے بتائے جا چکے تھے؟ مگر پھر بھی اُس زمانے کے اکابرینِ دین میں سے بہتیروں نے آپ کو وہ شخص نہ مانا جس کا انبیائے سابقین ذکر کرتے آئے تھے۔ اگر عالِم کاہنوں نے کبھی یہ سوچا ہوتا کہ پیش خبریاں لفظی طور پر پوری ہوئی ہیں اور جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے مسیح یسوع کے مقدمہ اور تصلیب کے واقعات

دیکھ لئے تو اُن کے لئے کافی وقت اور موقع تھا کہ وہ آپ کو اپنا موعودہ نجات دہندہ تسلیم کر لیتے۔ اگر اُن کو اِس عمل کی عادت ہوتی کہ اپنی آنکھوں کے رُوبرو گذرتے ہوئے واقعات کو کلامِ الٰہی کی مندرجہ پیشین گوئیوں پر درست طریق میں عائد کیا کرتے تو یہ یقینی امر ہے کہ وہ مسیح یسوع کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتے جیسا کہ انہوں نے کیا۔

بہت سی باتوں میں سے ہم نے صرف چند ایک کا حوالہ اس غرض سے دیا ہے کہ یہ ثابت کر دیں کہ اُن دنوں کے فاضل یہودیوں نے اُس زمانے کے نشانوں اور علامتوں کو نہ پہچانا جو نوشتوں میں پیشتر سے بتائے جا چکے تھے اور جن کو یوحنا اصطباغی اور مسیح خداوند نے اُن کی آنکھوں کے سامنے رکھا۔ ہر ایک وقوعہ تواریخی واقعہ تھا۔ یہودی علماء نشانوں کے مُشتاق تھے اور نشانوں کا مُطالبہ کیا کرتے تھے۔ مگر جب نشان اُن کے سامنے رکھے گئے تو وہ اُن نشانات کو شناخت نہ کر سکے۔ یہودی عالموں کی لیاقت اور علم پر اور نہ ہی اُن کی اُس سرگرمی اور جوش پر جس کے ساتھ وہ پاک نوشتوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے، ہم کسی طرح کا شک کرتے ہیں۔ اُن کی شریعت اور صحائف الانبیاء یعنی عہد نامہ عتیق جو اُن ایام میں تھے وہی ہیں جو اب ہمارے پاس ہیں تو پھر کیا وجہ تھی کہ وہ لوگ آثارِ زمانہ کی شناخت کرنے سے قاصر نکلے؟ کیا محض تعصب نے ہی انہیں تاریکی میں رہنے دیا؟ بِلا شُبہ اُن میں سے بہت ایسے ہوں گے جو تعصب کا شکار نہ تھے۔ کیا اِس کی یہ وجہ بھی تھی کہ یوحنا اصباغی اور مسیح یسوع نے اُن لوگوں کے گناہوں کو اعلانیہ طور پر آشکار کیا اور مذہبی امور میں اُن کے اختیارات کی شدید مُخالفت کی؟ لیکن اِس امر میں بھی ایسے لوگ جن کے وقار اور عزت کو شدید صدمہ پہنچا بہت زیادہ تعداد میں نہ تھے۔ ایسی باتوں کا یہ نتیجہ تو نہیں ہو سکتا تھا کہ ساری کی ساری قوم خدا کے اِن دونوں ممسوحہ نبیوں کو رد کر دیتی۔ ہم پھر دریافت کرتے ہیں کہ اُن ایام کے سردار کاہنوں اور فاضل ربیوں نے اُس زمانہ کی علامتوں کو جو پے درپے اُن کی آنکھوں کے سامنے رُونما ہوتی رہیں کیوں نہ پہچان سکے؟ اُن کی ایسی نا قابلیت کی دو بڑی وجوہ ہو سکتی ہیں؛

1۔ کلامِ الٰہی کی مرقومہ پیشین گوئیوں کے متعلق قدیم یہودی مُفسروں کی ایسی تفاسیر جو اگرچہ پیشین گوئیوں کے حقیقی مفہوم کے مطابق تو نہ تھیں مگر اُن کے جانشینوں اور وارثوں نے اُنہیں مستند اور حتمی قرار دے رکھا تھا۔

اُس زمانہ کے اکابرینِ دین کو جن دنوں یوحنا اصطباغی اور مسیح خداوند اِس زمین پر تھے اِس بات کا کبھی گمان نہ ہوا تھا کہ پیشین گوئیوں کی اُن تفسیروں کے علاوہ جو اُن کے آباء واجداد کر گئے ہیں کوئی دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی اغلب ہے کہ اُن کے قدیم مُفسروں کو یہ خیال ہی نہ آیا ہو کہ پیشین گوئیوں کا لفظی طور پر بھی پورا ہونا ضروری ہو سکتا۔ اگر وہ یہ سوچ لیتے تو بہت ممکن تھا کہ وہ زمانوں کے نشانات کی شناخت کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ غالباً اُن مُفسروں کی ایسی ہی غلط اور غیر حقیقی تفسیروں کے باعث خدا نے یسعیاہ نبی کی معرفت اِن الفاظ میں اُن کی شکایت کی؛

"تیرے بڑے باپ نے گناہ کیا
اور تیرے تفسیر کرنے والوں نے میری مُخالفت کی۔"
(یسعیاہ 43: 27)

2۔ دوسری وجہ جس کے سبب یہودی کاہن اور فاضل ربی زمانے کی علامتوں کو نہ پہچان سکے یہ تھی کہ خدا کے کلام کی مذکورہ مُقررہ میعادوں کا حساب کرنے میں اُن کا طریقِ کار و شمار درست نہ تھا

اگر وہ اپنی غلامی اور اسیری کی مقررہ اور پیشتر سے بتائی ہوئی مدت کا صحیح تعین کر لیتے تو وہ اس قدر مُضطرب اور بے تاب نہ ہوتے اور نہ ہی اپنے فرمانرواؤں کے خلاف بغاوتیں کرتے رہتے۔ اپنی غلامی کو ختم کرنے کی آرزو کو پورا کرنے کے لئے وہ انسانی ذرائع کو کام میں لاتے ہوئے اپنی حکمران حکومتوں کے خلاف بغاوت کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے خونریزی، پراگندگی اور قوم میں مُفلسی وقوع پذیر ہوئی۔ اگر وہ امن پسند رعایا کی طرح رہتے تو وہ آسودہ حال ہوتے اور شمار میں بھی بڑھتے جاتے۔ اِسی طرح اگر وہ مذکورہ مقررہ الہامی میعادوں کا درست تعین کرتے اور مندرج واقعات کی مقررہ میعاد کی عنقریب تاریخوں کا حساب کرتے رہتے تو وہ مسیح یسوع کو اپنا موعودہ مُنجی پہچاننے میں ہرگز غلطی نہ کرتے جو خدا کے مقررہ وقت پر پیشتر سے بیان شدہ طریق میں خدا کے ازلی ارادوں کی تکمیل کے لئے ظاہر ہوئے تھے۔ اسی طرح یہودی مُفسروں اور تاریخ نویسوں نے اگر اُن عالم گیر سلطنتوں کو پہچان لیا ہوتا جنھوں نے اُن کی ہیکل کو ناپاک اور بے حرمت کرنا تھا اور یکے بعد دیگرے حکمرانی کرنے والی حکومتوں نے جب جب مقدس ہیکل کو ناپاک اور بے حرمت کرنے کے مکروہ کام کئے ان کی تاریخیں درستگی کے ساتھ تحریر کر لی ہوتیں تو آنے والی پشتوں کو ہیکل مقدس کی تقدیس کے معینہ وقت کا اندازہ لگانے میں ہرگز مشکل نہ ہوتی اور ان کو بآسانی معلوم ہو جاتا کہ اُس کی حقیقی اور مستقل تقدیس کیونکر اور کب ہو گی۔

جو لوگ خدا کے کلام کی تفسیر صحیح معنوں میں کرتے اور اُس کا بیان خدا کے اصلی مفہوم کے مطابق کرتے ہیں اُن کے لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اِس امر میں خدا کے مخالف ہیں۔ مگر یہودی مفسروں کے خلاف خدا کی شکایت ہرگز بے جا نہ تھی جب اُس نے فرمایا کہ 'تیرے تفسیر کرنے والوں نے میری مخالفت کی ہے' اور نہ ہی مسیح یسوع کا اُن کے خلاف عائد کیا ہوا الزام غلط ہو سکتا ہے جب اُس نے فرمایا کہ 'تم آسمان کی صورت میں تو تمیز کرنا جانتے ہو لیکن زمانوں کے نشانات میں تمیز نہیں کر سکتے'۔ تواریخ اور نوشتے دونوں ثابت کرتے ہیں کہ یہودیوں نے اپنی اسیری اور انتشار، مسیح کی آمد اور اپنی بحالی کے معاملوں میں زمانوں کے نشانات کو صرف اس لئے نہیں پہچانا کیونکہ انہوں نے خدا کے اُن فرمودہ وعدوں کو نہ تو حقیقی اور لفظی مانا اور نہ ہی مقررہ میعادوں کا صحیح طور پر شمار کیا۔

بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسیحی مُفسروں نے بھی زمانوں کے صریح اور اہم نشانوں کی شناخت میں اُسی طرح سے غلطی کی جس طرح کہ یہودی علمائے دین کرتے رہے۔ یہودی علماء کی زمانوں کے نشانات سے روگردانی، اعداد و شمار میں خامی اور زمانوں کی شناخت میں نااہلی کے متعلق میرا مضمون "**زمانوں کی علامات**" ضرور مطالعہ کیجئے تاکہ آپ ایک مربوط و مُسلسل مطالعہ سے معاملات کی تفہیم حاصل کر سکیں۔

ذیل میں چند ضروری تاریخی واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو بِلاشُبہ یہودی مُفسروں کی تقلید کے باعث درست طریق پر نہیں سمجھے جا سکے تھے اور مسیحی علماء و مُفسرین نے اِن کو درست طور پر شناخت نہ کیا؛

1۔اِسلامی حکومت کا آغاز و عروج:

کوئی سلطنت عالمگیر سلطنت نہیں بن سکتی اور نہ ہی وہ مُلکِ فلسطین پر قابض ہو سکتی تھی جب تک کہ اُس کا ایسا ہونا خدا کی طرف اُس کے مقصد کو پورا نہ کرتا ہو۔ تواریخ سے ثابت ہے کہ مُلکِ فلسطین اُن پہلی چار سلطنتوں کے قبضہ میں رہا جن کا انکشاف دانی ایل نبی پر ہوا تھا۔ اس کے بعد جب مسیحی مُفسرین نے دیکھ بھی لیا کہ مُلکِ موعودہ تاہنوز غلامی ہی کی حالت میں ہے تب بھی وہ قدیم مُفسرین ہی کے خیالات کے گرویدہ رہے اور از سرِ نو نوشتوں میں تلاش کیا کہ معلوم کر سکیں کہ اسلامی حکومت جو اُن ایام میں مُلکِ فلسطین پر فرمانروا تھی اُس کا قبضہ دانی ایل نبی پر خدا کے انکشاف کے مطابق تھا یا نہیں۔ قدیم مُفسرین میں سے کسی نے بھی اپنی تفاسیر میں اس حقیقت کا ذکر نہیں کیا اور اسی لئے بعد کے مُفسرین بھی اس کا اظہار کرنے سے قاصر رہے کہ مُلکِ فلسطین پر اسلامی قبضہ ایک پیش گُفتہ واقعہ تھا۔ تو پھر کیا یہ قیاس کرنا ممکن ہے کہ کلامِ الٰہی نامکمل ہے اور اُس کے واقعات کے انکشافات میں تواتر یا تسلسل معدوم ہے اور کہ ملکِ فلسطین پر اسلامی قبضہ محض ایک تواریخی غلطی تھی؟ گو خدا کا کلام ہر گز نامکمل نہیں اور نہ ہی تواریخ غلط ہے۔ تاہم تمام تر فاضل مُفسرین میں سے کسی نے بھی دانی ایل نبی کی کتاب کا کوئی ایسا حوالہ پیش نہیں کیا جس سے وہ ثابت کر سکیں کہ ملکِ فلسطین پر اسلامی قبضہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا پیشتر سے ذکر کیا جا چُکا ہے۔

2۔دانی ایل نبی نے اسلامی سلطنت کے مُتعلق پیشین گوئی کی:

دانی ایل نبی نے پیشین گوئی بیان کی؛

"وہ سلطنت بڑی تو ہو گی مگر اپنی طاقت سے نہیں۔"
(دانی ایل8: 24)

اس پیشین گوئی کے مطابق خارجی اسباب اور بیرونی وسائل اس عالم گیر سلطنت کی قوت اور استقامت کا موجب ہوں گے۔ لیکن مسیحی مُفسرین نے اسلامی سلطنت کی ترقی اور پائیداری کے اسباب بیان کرنے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ یعنی فریضہِ جہاد اور خلیفتہ المسلمین کی جبریہ تابعداری کو جو اس سلطنت کے آغاز اور اس کے عروج کے خاص خارجی اسباب تھے۔ حالانکہ تواریخ ظاہر کرتی ہے کہ اس حکومت کی پائیداری کے اصلی موجب صرف یہی دونوں خُسروانہ منشور تھے۔ اسلامی سلطنت کی دوامی کی 1260 سالہ مقررہ میعاد کی طرح اِن ہر دو منشوروں کی میعاد بھی اُسی قدر طویل تھی۔ مقررہ میعاد کے خاتمے پر اسلامی حکومت کی مضبوطی کے ہر دو خارجی اسباب خود بخود ختم ہو گئے۔ ان دونوں منشوروں کے رائج ہونے کے ایام چونکہ جُدا جُدا تھے اس لئے ان دونوں میں سے ہر ایک کا اختتام بھی جُداگانہ اوقات پر ہوا۔ مسیحی مُفسرین کا اسلامی سلطنت کے آغاز اور

عروج کے خارجی اسباب کو پیشتر سے مقرر کردہ اسباب نہ ماننا سوائے اس کے اور کچُھ نہیں کہ انہوں نے زمانوں کے اُن نشانات کو نہیں پہچانا جو تواریخ نے اُن کی آنکھوں کے سامنے پیش کئے۔

3۔ صلیبی جنگوں کا دور اور مُسلم حکمرانوں کی جانفشانی:

دسویں صدی عیسوی کے خاتمہ کے قریب صلیبی جنگ آوروں نے فلسطین پر حملہ کرکے اُسے فتح کرلیا اور وہاں مسیحی حکومت قائم کی۔ لیکن یہ حکومت ایک صدی سے زائد قائم نہ رہ سکی۔ کیونکہ مسلمانوں نے اُسے پھر فتح کرلیا۔ صلیبی جنگجوؤں نے پہلی فتح اور پھر شکست کے بعد ایک بار پھر صلیبی جنگ آوروں نے شاہ رچرڈ کے زیرِ کمان فلسطین پر حملہ کیا مگر یہ حملہ ناکامی سے ہم کنار ہوگیا۔ مؤرخین نے اس شکست و ناکامی کی وجہ حملہ کی نامکمل حکمتِ عملی، ناقص ذرائعِ آمدورفت اور ان کے سپہ سالاروں کی آپس میں ناچاقی بتائی ہے۔ کلامِ الٰہی کے اُس زمانہ کے مُفسروں نے نے یہ معلوم کرنے کے لئے نوشتوں کو ڈھونڈنے کی کوشش نہ کی کہ آیا حملہ کرنے کی نیت اور وقت الٰہی مقصد کے عین مطابق تھے یا نہیں۔ اگر اُنہوں نے ایسی تحقیقات کی ہوتیں تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ اسلامی حکومت نے 1260 سال کی مقررہ میعاد تک ملکِ فلسطین پر حکمرانی کرتے رہنا ہے۔ اس میعاد سے قبل اُس کا ہٹایا جانا ممکن نہ تھا۔ علاوہ ازیں آزاد اور بحال ہونے پر حزقی ایل نبی کی رویاء کے مطابق بنی اسرائیل ایک بادشاہ ماتحت اس ملک میں ایک خود مختار حکومت قائم کرنی تھی (حزقی ایل 37 :22)۔ اس لئے صلیبی حملہ آوروں کا فلسطین میں مسیحی حکومت قائم کرنے کا مقصد خدا کے منشا ؔ کے مطابق نہیں ہو سکتا تھا۔ جب ہٹلر اور مسولینی نے بھی یہودیوں کو اُن کے وطن سے نکال باہر کرنے اور فلسطین میں روم کے ماتحت مسیحی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ باندھا تو پہلے کی طرح اس کوشش کا بھی ناکام رہنا لازم تھا۔ لہٰذا ضرور تھا کہ محوری طاقتوں کو شکست ہوتی کیونکہ ملکِ فلسطین کو بنی اسرائیل کا وطن بننا تھا نہ کہ مسیحی مُلک یا حکومت۔

4۔ تحریکِ اصلاحِ کلیسیا(Reformation of the Church) ایک پیش گُفتہ تحریک تھی:

زمانہِ حال کے مُفسرین مذہبی تحریکِ اصلاح کو ایک ایسا اجتہاد جاننے میں قاصر رہے جس کا انکشاف مُندرجہ ذیل الفاظ میں دانی ایل نبی پر کیا جاچکا تھا؛

"وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا۔"
(دانی ایل 2 :42)

یہ اجتہاد ایک عالم گیر اجتہاد ہے۔ اسی تحریک کی بدولت خدا کا کلام دنیا کے کناروں تک پہنچا۔ ورنہ اس سے پیش تر تو کلامِ الٰہی کو صرف معبدوں میں ہی مُقید و محدود کرکے رکھ دیا گیا تھا۔ رومن کیتھولک کلیسیا نے کلامِ الٰہی کو اپنی جاگیر سمجھ کر اس کو عوام الناس کے لئے ممنوع قرار دے

رکھا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اس کی اشاعت و ترسیل پر سخت سزائیں مقرر کر رکھی تھیں۔ لیکن پھر بھی تواریخ میں ہم ایسے حق کے دیوانوں کو دیکھ سکتے ہیں جنہوں نے کلام کو عوام تک پہنچانے کی غرض سے رومی کلیسیا کے ظلم وجبر کو سہا اور بعضوں نے اپنی جانیں تک قربان کر دیں۔ بِلا شُبہ وہ لوگ ایسے مُقدسین تھے جن کے دلوں میں اِلٰہی تنویر تھی اور وہ کلامِ الٰہی کی پیشین گوئیوں کے لئے برضائے اِلٰہی برپا ہو رہے تھے۔ زمانہ ٔ حال کے مُفسرین کو یہ پیشین گوئی نظر نہ آئی جس سے وہ سمجھ پاتے کہ یہ تحریکِ اصلاح واجتہاد کا ماخذ ہے۔ اگر دانی ایل کی مذکورہ پیشین گوئی تحریکِ اصلاح واجتہاد کی طرف اشارہ نہیں کرتی تو پھر اس کا معنی ومُدعا کیا ہو سکتا ہے، اس بارے ہمارے حال کے مُفسروں کے پاس کوئی جواب نہیں۔ یہ قیاس کرنا بھی ناممکن ہے کہ ایک ایسی تحریک جس کے وسیلے مسیح خداوند کا "ارشادِ اعظم" سرعت وکامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچا اور جس کی وساطت سے کئی طریقوں میں خدا کے مقاصد بر آئے، الہامی اعلانات میں اُس کا کوئی کرنہ ہو۔

5۔ برطانوی سلطنت کا آغاز وعروج:

برطانوی سلطنت کے متعلق بھی ہمارے مُفسرین آنکھیں بند کئے خاموش رہے۔ یہ سلطنت رومی سلطنت کے زوال پر برپا ہوئی اور اُن ایام میں بھی جب کہ اسلامی حکومت اپنی قوت کے شباب پر تھی یہ سلطنت زندہ رہی اور وسعت پذیر ہوئی۔ اس سلطنت نے ہسپانیہ کے جنگی بیڑے کو شکستِ فاش دی اور بہت لوگوں نے خیال کیا کہ برطانیہ کی یہ فتح الٰہی انعام تھا۔ اُس زمانہ میں بھی جب کہ مسلمانوں نے برِاعظم یورپ کے بہت بڑے حصے کو فتح کر لیا تھا یہ سلطنت خود مختار اور آزاد رہی۔ خدا کا کلام فرماتا ہے کہ اُن ایام میں برطانیہ کا اسلامی محکومی سے بچ نکلنا خدا کے پیشتر سے مقرر کئے ہوئے ارادے کے مطابق تھا (دانی ایل 8 :25)

رفتہ رفتہ برطانیہ نے اپنی مقبوضات بڑھائی۔ ہندوستان، مصر اور سوڈان جن پر کبھی مسلمان حکمرانی کرتے تھے برطانیہ نے لے لئے۔ 1837ء میں جب ملکہِ وکٹوریہ تختِ انگلستان پر جلوہ افروز ہوئی تو اس کی سلطنت کی وسعت 80 لاکھ مربع میلوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی حکومت کے ساٹھ ہی سال کے دوران اُس کی حکومت ایک کروڑ بیس لاکھ مربع میلوں پر پھیل گئی اور ایک ایسی سلطنت بن گئی جس پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا۔ سلطنتِ برطانیہ ترقی کرتی گئی اور اسلامی حکومتوں کو زوال آتا گیا۔ دنیا کی کوئی حکومت اس قدر زور آور اور مستحکم نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ امر خدا کے ارادے اور اس کے مقصد میں نہ ہو۔ مگر مسیحی مُحققین ومُفسرین نے اس حقیقت کی تحقیق کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ معلوم کریں کہ اس عالم گیر سلطنت کے متعلق کلامِ الٰہی کیا فرماتا ہے یا اس میں کیا پیشین گوئیاں مندرج ہیں۔ یہاں تک کہ گذشتہ کئی برسوں کے عرصے میں جب کہ برطانیہ نے ملکِ فلسطین کو فتح کیا اور بین الاقوامی ادارہ (League of Nations) کی طرف سے اس کی فرمانروائی بھی اسی کے سپرد کی گئی تب بھی زمانہ ٔ حال کے مُفسرین نے کلامِ الٰہی کا مطالعہ اس غرض سے نہ کیا کہ یہ معلوم کریں کہ ملکِ فلسطین پر برطانوی قبضہ اور فرمانروائی ایک مُعینہ واقعہ تھا یا نہیں اور اگرچہ یہ انتظام ایک مُعینہ امر تھا تو دانی ایل نبی کی کتاب کی کون سی پیشین گوئی اس پر عائد کی جاسکتی ہے؟ چونکہ قدیم مُفسرین دانی ایل نبی کی کتاب کی کسی پیشین گوئی کا سلطنتِ برطانیہ پر اطلاق نہ کر سکے اس لئے زمانہ ٔ حال کے مسیحی مُفسرین نے بھی پیشی

گوئیوں کو تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ تواریخ نے اُن کی آنکھوں کے سامنے تحقیقی واقعات رکھ دیئے تھے۔ آنکھیں کھلی رکھتے ہوئے بھی لوگ زمانوں کے نشانات کو دیکھنا نہیں چاہتے۔

6۔ قدیم بابل یعنی موجودہ ملکِ عراق کی آزادی:

ایک اور اہم واقعہ جس پر غور کرنا موجودہ زمانے کے مُفسرین نے نظر انداز کر دیا ہے وہ ملکِ عراق یعنی قدیم بابل کی آزادی کا ہے۔ یہ واقعہ پہلی جنگِ عظیم کے اختتام پر وقوع میں آیا۔ مسیحی مُفسرین کی تصانیف میں بابل ایک اہم مضمون رہا ہے اور اب بھی ہے۔ قدیم مُفسرین نے روم کو بابل سمجھا اور زمانہِ حال کے مُفسرین اور واعظین نے بھی بابل کی مُتعلقہ پیشین گوئیوں سے روحانی معنی اخذ کر کے اُن کو پوپیت سے منسوب کرنے کی میلانِ طبع کا اظہار کیا ہے۔ یوں قدیم اور موجودہ مُفسرین بڑی سختی سے اُنہی پرانے خیالات پر جمے ہوئے ہیں جبکہ تواریخ اُن کے سامنے زمانوں کے نشانات کو پیش کرتی ہوئی ان کی توجہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ عراق پر امریکی حملے سے پیشتر عراق ایک خود مختار ملک کے طور پر دنیا میں اُبھر کر سامنے آیا۔ صدر صدام حسین کے نام سے کون واقف نہیں؟ صدام حسین نے اپنے دورِ حکومت میں عراق کو پوری دنیا میں ایک ایسے تصورِ حکمرانی سے روشناس کروایا کہ باقی ممالک اس کے عزائم کے متعلق شش و پنج میں مُبتلا ہو گئے۔

اس سے پیشتر وزیر اعظم عراق جنرل سعید پاشا ایک عربی اتحاد کی تنظیم پر غور کر رہا تھا۔ اس سلسلے میں اُس نے شام، لبنان، مصر اور فلسطین کا دورہ کیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ مشرقِ وسطیٰ کی عرب ریاستوں کا تعاون اس اتحاد کی بُنیاد ہو گا۔ جن ممالک کے متعلق اتحاد میں شامل ہونے کی واثق اُمید تھی ان کے نام یہ ہیں؛ مصر، عراق، شام، لبنان، یردن پار کا علاقہ اور سعودی عرب۔ ملکِ فلسطین کے شامل ہونے کا انحصار اُس وقت حالتِ جنگ پر تھا۔ المصری نے کہا تھا کہ؛
" شروع میں یہ اُمید تو نہیں کی جا سکتی کہ عربی ریاستیں تمام تر سیاسی امور میں مُنسلک ہو جائیں۔ لیکن ممکن ہے کہ یہ اتحاد در آمد و بر آمد کی انجمنوں، قواعد وضوابط کے مُشترکہ قانون، گہرے تجارتی معاہدوں اور ملی، تعلیمی اور مذہبی مسئلوں میں شراکت اور یگانگت سے شروع ہو۔"

7۔ موجودہ زمانہ کے مفسروں نے شام اور عرب کی آزادی کو بھی نظر انداز کر دیا:

کلامِ الٰہی کی پیشین گوئیوں کی تفسیر کرنے والوں نے شام و عرب کی آزادی کو بھی نظر انداز کر دیا۔ حالانکہ ان دونوں ممالک کی آزادی کے بعد ملکِ فلسطین کے گردونواح کے ممالک میں اہم تبدیلیاں رُونما ہوئیں جو تواریخی نشانات کی حیثیت رکھتی تھیں اور ان کو عمیق اور غائر نگاہ سے دیکھنا از حد لازم تھا۔ کلامِ الٰہی میں ان ممالک کے مُتعلق پیشین گوئیاں موجود ہیں اور ضرور ہے کہ خدا کے مُعین کردہ وقت پر وہ پایہ تکمیل کو پہنچتیں یا پہنچی ہوں۔ ایسے لوگ جو ایسے واقعات اور اسی طرح کی باقی علاماتِ زمانہ کی طرف سے جان بوجھ کر اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں اُن کے لئے بہت خطرہ

ہے کہ دنیا کے تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اُنہیں یک دم اپنی گرفت میں لے لیں۔ پیشتر سے مُقرر کردہ علامات نہ تو ہر روز ظاہر ہوتی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک علامت پھر دوبارہ ظاہر نہ ہو۔ ہر علامت کے ظہور کا ایک خاص مقررہ وقت ہوتا ہے۔

رات تقریباً گذر چکی ہے اور پو پھٹنے ہی والی ہے۔ وہ لوگ جو رات بھر جاگتے رہے ہیں جب پو پھٹے گی تو اُسے پہچان لیں گے اور اس کو خوش آمدید کہیں گے۔ مگر ایسے لوگ جنہوں نے رات سو کر گذاری ہو گی، جب گہری تاریکی کو چیرتی ہوئی نہایت مدھم شُعاع دکھائی دے گی جو پو پھٹنے سے پہلے ظاہر ہوتی ہے، تو اُسے پہچان نہ سکیں گے۔

لازم ہے کہ ہم از سرِ نو پیشین گوئیوں کا مطالعہ کریں۔ قدیم مُفسرین کی تحریروں اور تعبیروں پر انحصار کرنا اُسی طرح نامناسب ہو گا جس طرح کہ خداوند مسیح کے وقت کے فقیہوں، فریسیوں اور صدوقیوں کے لئے تھا کہ مسیح کو اُنہیں کہنا پڑا کہ تم آسمان کی صورت میں تو تمیز کرنا جانتے ہو لیکن زمانوں کی علامتوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس کام میں محنت درکار ہے تاہم یہ بہت ضروری ہے۔